مولانا محمد شہاب الدین ندوی

اسلامی تہذیب اور تمدنِ جدید کو کیونکر ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے؟

عصرِ جدید کا اہم ترین مسئلہ

اس وقت دنیا ایک عجیب و غریب قسم کے فکری انتشار اور ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہے۔ ایک طرف مسلمان ہیں جو ایک برتر دین اور مکمل تہذیب کے مالک ہونے کے باوجود آج خود انھیں اس بات کا کوئی صحیح احساس و شعور نہیں ہے کہ وہ کتنی عظیم الشان نعمت اور کتنی اہم اور گراں مایہ شئے سے متصف ہیں، جو اقوامِ عالم کی صحیح راہنمائی کرکے ان کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ ان کی مثال اس وقت بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی کی جھولی میں لعل و یاقوت اور ہیرے جواہرات بھرے ہوئے ہوں، مگر وہ انھیں خزف ریزے سمجھ کر گدائی میں اپنی زندگی بسر کر رہا ہو۔ یا اگر کچھ اللہ کے بندوں کو اپنی دینی و تہذیبی قدر و قیمت کا احساس ہے بھی تو یہ مسئلہ ان کی سمجھ سے باہر کا دکھائی دیتا ہے کہ وہ موجودہ دور کے تہذیبی بحران کو کس طرح حل کریں اور جو طاقتیں ان کے صاف ستھرے تمدن پر بار بار حملے کر رہی ہیں، ان کو کس طرح روکیں؟ اور دوسری طرف غیر مسلم قومیں ہیں، جو دنیوی آسائش اور سامانِ تمدن کی فراوانی کے باوجود ذہنی و اخلاقی اعتبار سے تہی مایہ ہیں اور کسی برتر تہذیبی نظریے کے نہ ہونے کی وجہ سے کشاں کشاں موت کی وادی سے روز بروز قریب ہوتی جا رہی ہیں۔ عقلا اور دانشور حیران ہیں کہ ان خرابیوں کا حل آخر کیا ہو سکتا ہے جن سے سابقہ اس سے قبل گزشتہ کسی بھی دور میں اتنی ہمہ گیریت کے ساتھ کبھی پیش نہیں آیا۔

یہ کارِ خلافت کا وہ اہم ترین مسئلہ ہے جس کے حل کے بعد ہی کوئی قوم یا ملت صحیح معنی میں اپنے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ مسلم دانشوروں نے بھی اس سلسلے میں کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ بعد ان کے بعض نظریات اگلے صفحات میں پیش کیے جا رہے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ اُمتِ مُسلمہ کو

اپنے دین و ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے محض اپنی تمدنی و اجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے جدید علوم اور جدید تمدن کے تمام صالح عناصر کو قبول کر لینا چاہیے ، انہی میں ہمارے موجودہ تمام مشکلات کا حل موجود ہے
مگر یہ مسئلہ بہت زیادہ نازک ، پیچیدہ اور تفصیلی دلائل کا محتاج ہے ، اور جب تک اس سلسلے میں شرعی و عقلی دلائل نہ پیش کیے جائیں خواہ مخواہ بدگمانیاں پیدا ہوں گی۔ لہٰذا سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ خود قرآن حکیم اس سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے ؟

قرآن اور جدید علم و تمدن

اس مسئلے کے حل کے لیے سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ " علم جدید " اور " تمدن جدید " بذات خود ہیں کیا اور وہ کس طرح پیدا ہوتے ہیں ؟ جب تک یہ اہم اور بنیادی مسئلہ حل نہیں ہوگا الجھی ہوئی ڈور کا سرا نہیں ملے گا اور گم شدہ چابی ہاتھ نہیں آسکے گی۔ پھر اس کے بعد دیگر تمام مسائل آپ سے آپ آسانی سے حل ہو جائیں گے۔

اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ " علم جدید " مظاہر کائنات اور اُن کی مشنری میں غور و فکر سے پیدا ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر مادی اشیا میں تحقیقات و تجربات کی بدولت ظہور پذیر ہوتا ہے ، اور " تمدن جدید " اور اس کے تمام نقش و نگار در اصل علم جدید ہی کے منطقی نتائج اور اس کے آثار و مظاہر ہیں۔ ہر نیا علم یا ہر نیا انکشاف و اکتشاف ایک نئے تمدن کو جنم دیتا ہے ، نئے نقوش پیدا کرتا ہے اور ایک نئے ماحول کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل مثالوں پر غور فرمایئے۔

اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ " اس مکان کی چھت پر چڑھ جاؤ " تو آپ اس پر کس طرح چڑھ سکیں گے جب کہ اوپر جانے کا کوئی راستہ موجود نہ ہو ؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں آپ اپنی عقل سے کام لیتے ہوئے پہلے ایک سیڑھی تیار کریں گے ، پھر اس کے سہارے اوپر پہنچ جائیں گے۔ اسی طرح اگر آپ کسی جزیرے میں رہتے ہوں اور آپ سے کہا جائے کہ تم اس جزیرے کو چھوڑ کر فلاں جزیرے کو چلے جاؤ ، مگر دوسرے جزیرے تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں عقل و تدبیر سے کام لے کر پہلے ایک کشتی تیار کریں گے ، پھر اپنے مقصود کو پائیں گے۔ اب اگر آپ اس حکم کی تعمیل اور اس کی بجا آوری کا تجزیہ فرمائیں تو آپ کو دو چیزیں نظر آئیں گی۔

۱۔ ایک نئے ذریعے یا سہارے کی تلاش و جستجو میں آپ کی سرگرمانی اور دماغ کو متحرک کرنے کا عمل، اس کو آپ چاہے اپنا غور و فکر کہہ لیجیے یا اپنے تجربات و مشاہدات کو یکجا کر کے کوئی راہ عمل تلاش کرنا اور اس کا خاکہ بنانا۔

۲۔ آپ کی قوتِ فکر اور قوتِ دماغی کے مطابق عملاً ظہور پذیر ہونے والے نتائج، یا ذہنی خاکے کے محسوس مادی آثار و مظاہر۔

آسان الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ پہلی نظر جو کہ فکر و نظر سے تعلق رکھتی ہے علم کہلاتی ہے اور دوسری چیز جو عملی منظر ہوتی ہے وہ صنعت یا تمدن۔ اس طرح مختلف مسایل و مشکلات کے حل کی راہ میں نئے نئے علوم اور نئے نئے تمدن جنم لیتے ہیں۔ پھر جیسے جیسے تحقیقات و تجربات بڑھتے جائیں گے مختلف آلات و اوزار، ذرائع و وسائل اور نئے نئے کل پرزوں کا سلسلہ چل پڑے گا اس طرح نئی نئی اور بہتر سے بہتر صنعتیں جنم لیتی رہیں گی اور تمدن بھی آہستہ آہستہ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف رواں دواں نظر آئے گا۔ اس لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمدن جدید اصل میں علم جدید ہی کی پیداوار ہے۔

اس اصول کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب چند قرآنی آیات میں غور فرمایئے تو یہ حقیقت پوری طرح کھل کر سامنے آجائے گی کہ علم جدید اور تمدنِ جدید کا داعیِ اوّل قرآنِ مجید ہے، جس نے ایک حیثیت سے مظاہرِ کائنات میں غور و فکر کر کے وجود باری کے دلائل اخذ کرنے پر زور دیا تو دوسری طرف مختلف علوم اور وسائل میں خوض کر کے مختلف صنعتوں (INDUSTRIES) کو وجود میں لانے کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ چنانچہ وہ پوری صراحت کے ساتھ کہتا ہے:

هُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا (النحل : ۱۴)

وہی ہے جس نے سمندر کو تمھارے لیے مسخر کر دیا تاکہ اس سے تم تازہ گوشت کھاؤ اور زیور (موتیوں کی شکل میں) نکالو، جس کو تم پہنتے ہو۔

سمندر کو مسخر کرنے کا مطلب اس میں ودیعت شدہ فوائد سے استفادے کے لیے اس کو پوری طرح رام کر دینا ہے، اور یہ مقصد بغیر کشتی سازی اور کشتیوں میں سفر کے حل نہیں ہو سکتا۔

سمندر سے تازہ گوشت یعنی مچھلیاں حاصل کرنا بھی اس پر موقوف ہے کہ سفر کے لیے کشتیاں بھی تیار کی جائیں اور مچھلیاں پکڑنے کے لیے جال اور دیگر اوزار بھی بنائے جائیں ۔ اسی طرح سمندر سے موتی نکالنے کے لیے غوطہ خوری کی تربیت اور اس کے آلات و اوزار کی تیاری ضروری ہے ۔ اس طرح محض ان دو فوائد کے حصول کے لیے کئی صنعتوں کا آغاز ہوتا ہے اور بہت سے فنی (TECHNICAL) معلومات و تجربات کی ضرورت پڑتی ہے ۔ یہی فنی معلومات فنی علوم یعنی صنعتی علوم کی بھی بنیاد ہیں ۔ حسب ذیل عظیم الشان آیت کریمہ میں غور فرمایئے تو آپ کو اس قسم کے بے شمار علوم اور بہت سی صنعتوں کی طرف رہنمائی ملے گی ۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (البقرہ : ۱۶۴)

زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں ، دن رات کے ہیر پھیر میں ، اور اُن کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں لوگوں کے نفع بخش سامان کو لے کر چلتے ہیں ، اور اس پانی میں جس کو اللہ نے بلندی سے اتارا اور اس کے ذریعے زمین کو زندگی بخشی جب کہ وہ مردہ تھی ، پھر اس میں قسم قسم کے جان دار پھیلا دیے ، اور ہواؤں کے ادل بدل میں ، اور اس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مسخر رہتا ہے ۔ (ان تمام مظاہر میں) عقل مندوں کے لیے یقیناً (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں ۔

ان آیاتِ کریمہ کا اولین مقصد جیسا کہ پہلی نظروں سے واضح ہو رہا ہے وجودِ باری اور اس کی صفاتِ عالیہ کا اثبات نیز اثباتِ قیامت کے سلسلے میں سائنٹفک شواہد پیش کرنا اور شرک و مادیت اور دیگر فکری لغزشوں کی تردید کرنا ہے ۔ اس کو ہم علم نظری کہہ سکتے ہیں ۔ مگر یہاں ضمناً اس علم سے اس کے عملی فوائد بھی مقصود ہیں ، اور جیسا کہ شیخ طنطاوی جوہری نے لکھا ہے ، اس موقعے پر بہت سے تمدنی فوائد کا اثبات ہو رہا ہے ۔

" لقوم یعقلون " (وہ لوگ جو عقل سے کام لیتے ہیں) کی سند ان لوگوں کو عطا کی گئی ہے جو زمین اور آسمانوں (اجرامِ سماوی) کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں ، رات دن کے ہیر پھیر کے اسرار معلوم کرتے ہیں ، کشتیوں ، جہازوں اور سامانِ تجارت کے فوائد پر نظر ڈالتے ہیں ، بارش کے عجائب ، نباتات کے مظاہر

چوپایوں کی خلقت اور ان کے اسرار و عجائب معلوم کرتے ہیں۔ ہواؤں کے ضوابط اور ان کی قسموں (جیسے پُروا ہوائیں، پچھوا ہوائیں، سمندری ہوائیں اور تجارتی ہوائیں وغیرہ) کا علم حاصل کرتے ہیں، اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ بادل آسمان میں کس طرح جمع ہوتا ہے، (اور وہ کہاں سے آتا ہے) اور بارش کیسے اور کس طرح ہوتی ہے؟ اور اس میں سورج کی کارفرمائی کیا ہے؟ اور بارش پر کیا کیا اثرات ڈالتی ہے؟ غرض ان تمام چیزوں کی حقیقت و ماہیت اور ان کے اسرار و فوائد کے جاننے اور ان میں غور و فکر کرنے والوں کو اس موقع پر "صاحبِ عقل" قرار دیا گیا ہے۔

ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فلکیات، بارش، ہوا، بادل، ندی نہریں، معدنیات اور دیگر تمام طبیعی و صنعتی علوم کی تحصیل ضروری ہے۔ غور فرمایئے تو پتا چلے گا کہ یہاں جن کشتیوں (اور ان میں ہر قسم کے جہاز بھی شامل ہو سکتے ہیں) کا ذکر کیا گیا ہے، (وہ زمانۂ قدیم میں جس طرح لوہے اور لکڑی وغیرہ کے محتاج تھے، اسی طرح آج وہ) لوہا، کوئلہ اور بجلی کے محتاج ہیں۔ اسی طرح جہازوں کے لیے سامان کی ضرورت ہے، جس کو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائیں۔ (اور یہی چیز علم تجارت (COMMERCE) کی بنیاد بھی ہے)۔ غرض اس آیتِ کریمہ میں تمام علوم و فنون کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے[1]

اس آیتِ کریمہ میں ان کے علاوہ بھی دیگر بہت سے علوم و فنون اور صنعتوں کا اثبات ہو سکتا ہے۔ مثلاً اجرامِ سماوی کے مشاہدے کے لیے رصدگاہوں (OBSERVATORIES) اور ان کے سازوسامان کی تیاری، جن میں دوربینیں وغیرہ بھی شامل ہیں، جہاز سازی کے کارخانے اور ان کے سازو سامان کی تیاری، نیز ان صنعتوں میں استعمال ہونے والے خام مال کی فراہمی، کان کنی کا علم اور اس سے متعلق صنعتیں، جن کے ذریعے لوہا، کوئلہ اور پٹرول وغیرہ کی فراہمی عمل میں آتی ہے، جہاز رانی کا علم اور اس کی تربیت، برق و بھاپ کا علم اور ان کی صنعتیں جن کے ذریعے موجودہ جہاز چلتے ہیں۔ (بلکہ اب تو ایٹمی جہاز بھی چلنے لگے ہیں)۔ اسی طرح عالمِ حیوانات و نباتات اور دیگر مظاہرِ فطرت کے تفصیلی مطالعے کے لیے بہت سے سازوسامان اور آلات و اوزار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس طرح یہ آیتِ کریمہ علاوہ بے شمار صنعتی اور ٹکنالوجیکل علوم و فنون کے حسبِ ذیل خالص سائنسی علوم کی بھی بنیاد اور ان کا ماخذ ہے:

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب "القرآن والعلوم العصریہ" ص ۲۵-۲۶، مصر ۱۳۷۱ھ

۱۔ علم تخلیق کائنات	COSMOLOGY
۲۔ فلکیات	ASTRONOMY
۳۔ فلکی طبیعیات	ASTROPHYSICS
۴۔ موسمیات	METEOROLOGY
۵۔ ارضیات	GEOLOGY
۶۔ ارضی طبیعیات	GEOPHYSICS
۷۔ علم جغرافیہ	GEOGRAPHY
۸۔ علم معدنیات	MINERALOGY
۹۔ طبیعیات	PHYSICS
۱۰۔ کیمیا	CHEMISTRY
۱۱۔ حیاتیات	BIOLOGY

Husain Library

یہ استنباط میرے ناقص علم کے مطابق ہے۔ ورنہ اس عظیم الشان اور جامع آیتِ کریمہ سے اور بھی بہت سے علوم کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ کی صحیح عظمت بیان کرنا اور اس کے تمام علوم و معارف کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ مگر جتنے بھی علوم و مسائل اور اسباق و بصائر مستنبط کیے جائیں گے وہ سب علم اسماہی کے دائرے میں ہوں گے۔ اور یہ آیتِ کریمہ ایک حیثیت سے نظری سائنس کی بھی بنیاد ہے اور عملی سائنس کی طرف رہنمائی حسبِ ذیل آیات کے ذریعے کی گئی ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ
رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ
لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ
مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ
كَفَّارٌ ۝ (ابراہیم: ۳۲-۳۴)

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور بلندی سے پانی برسایا۔ پھر اس پانی سے تمہاری غذا (کی خاطر) (طرح طرح کے) میوے نکالے، اور کشتیوں کو تمہارے قابو میں کیا تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے

بنی رہیں (تاکہ تم جہاں چاہو بآسانی سفر کر سکو) اور دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا (کہ حسبِ منشا ان پر بند باندھو یا ان کا رُخ موڑ لو) اور تمہارے لیے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا (کہ ان کی توانائیوں سے تم حسبِ خاطر مستفید ہو سکو) اور تمہارے لیے دن اور رات کو کام میں لگایا (تاکہ تمہارے کام کرنے اور راحت پانے کے اوقات متعین ہو سکیں) اور اس نے (اس طرح) تمہارے (تمام فطری) مطالبات پورے کر دیے[1] اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کر سکو گے[3] انسان بڑا ہی ستم گار اور ناشکرا ہے۔ (جو ان نعمتوں سے مستفید ہونے کے باوجود خدا کا انکار کر بیٹھتا ہے)۔

اوپر کی آیات (سورۂ نحل اور سورۂ بقرہ والی) میں جو باتیں علمی اور نظری حیثیت سے بیان کی گئی تھیں ان کو یہاں پر اسلوب بدل کر عملی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے، ان کی افادیت بیان کی جا رہی ہے اور نوعِ انسانی پر بطور احسان جتایا جا رہا ہے کہ یہ سارے مظاہر اور ان کے یہ سارے فوائد اللہ کی ربوبیت کے اظہار اور اس کی رحمانیت کے مظہر کے طور پر ہیں[4]

---

[1] اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت اور اس کے تقاضوں کے مطابق اس کائناتِ ارضی میں ان کی ضروریات کا سارا سامان رکھ دیا ہے اور اس کی راحتوں اور آسائشوں کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نوعِ انسانی پر بہت زیادہ مہربان اور مشفق ہے۔ وہ ظالم یا جابر یا انسان کی فطرت اور اس کے تقاضوں کو کچلنے والا نہیں۔

[3] ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے ہی کا نام علمِ جدید اور تمدنِ جدید کی ترقی کہلاتا ہے۔ لہٰذا خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا غیر فطری یا غیر عقلی یا غیر اسلامی نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کے لیے پیدا کی ہیں۔ ہاں البتہ انسان کا خدا سے بغاوت کرنا اور اس کے خلاف سرکشانہ رویہ اختیار کرنا ضرور غیر اسلامی اور اللہ کے نزدیک قابلِ تعزیر جرم ہے جس کی وہ قیامت کے دن سزا دے گا ــــ انسان کو چونکہ اس مظاہر سے مستفید ہونے کی راہ میں سخت محنت اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے اس لیے وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ سب کچھ محض اس کے زورِ بازو کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری نعمتیں انسان کے لیے پہلے ہی سے ان مظاہر کے باطن میں ودیعت کر دی تھیں اور یہ ضابطہ بھی بنا دیا تھا کہ جو کوئی اس راہ میں جدوجہد کرے گا وہ ان نعمتوں کو پا لے گا۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ لہٰذا انسان کو اپنی کسی کامیابی پر مغرور و متکبر نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ اسے خدائے رحمان کا شکر گزار رہنا چاہیے جس نے اس کائنات میں منظم و منضبط طور پر ضوابط قائم کر کے اس کے لیے ان نعمتوں کے حصول کو ممکن بنایا۔

[illegible]

ان آیات میں بنیادی اور اصولی طور پر تین قسم کی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے : (۱) بری (۲) بحری (۳) سماوائی ۔ ان تینوں کی مختصر سی تشریح حسب ذیل ہے :

۱۔ بری نعمتوں میں خصوصیت کے ساتھ زمین کی پیداوار کے لیے نہروں اور دریاؤں کے ذریعے آب پاشی کا طریقہ سمجھایا گیا ہے کہ اس طریقے کو اپنا کر نیز اپنی عقل و تجربے کے ذریعے اور نئے نئے آلات و وسائل کا استعمال کر کے زرعی پیداوار میں ترقی کی جا سکتی ہے اور اس طرح زمین کی نعمتوں سے تمتع کیا جا سکتا ہے ۔ مگر اس کے لیے علم جغرافیہ، علم زراعت اور آب رسانی کے طریقوں سے واقفیت ضروری ہے ۔ (ان موضوعات پر بکثرت لٹریچر وجود میں آچکا ہے) ۔

۲۔ بحری فوائد اور نعمتیں : یہ زرعی پیداوار اور دیگر سامانِ تمدن کو دنیا کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا کر حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے ۔ اور اس راہ میں سمندری سفر، سمندری راستوں اور سمندری تجارت کے اصولوں سے واقفیت ضروری ہے جو کسی قوم یا ملت کی ترقی و خوش حالی اور اس کی سربلندی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس کے بغیر کوئی قوم ترقی یافتہ قوم نہیں

بھی حقیقی خلیفہ ہونے کی حیثیت سے داخل و شامل ہیں ۔ بلکہ ایک حیثیت سے یہ خطاب دراصل انہی سے ہے ۔ بہرحال اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پیدا کی ہیں لہٰذا ہم ان سے ایک "شجرِ ممنوعہ" کی طرح محروم کیوں رہیں ؟ غور فرمایئے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی ہمارے لیے برسایا ہے، زمین سے اناج ہمارے لیے اگایا ہے، سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کو ہمارے لیے مسخر کیا ہے، نہروں اور دریاؤں کو ہمارے لیے کام میں لگایا ہے، آفتاب و ماہتاب ہمارے لیے مسخر ہیں اور دن رات ہمارے ہی مفاد کی غرض سے محو سفر ہیں، غرض ساری کائنات ہمارے لیے رام کر دی گئی ہے تو پھر ہم کس خطا اور کس جرم میں ان خدائی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے محروم رہ جائیں ؟ ان آیات کا منشا و مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام صحیح معنی میں خدا کے بندے بن کر ان تمام لذتوں اور آسائشوں سے ضرور مستفید ہوں ۔ مگر اس کے لیے خود آگے بڑھ کر انھیں اس میدان میں محنت کرنی پڑے گی اور ان تمام علوم و فنون میں (جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے) دسترس حاصل کر کے انھیں ایک غیور، محنتی، خود دار، عزت مند اور مثالی ملت کی طرح زندگی کے میدان میں آگے بڑھنا پڑے گا ۔ دوسروں کا دست نگر اور غلام بن کر زندگی کی لذتوں کا خواب دیکھنے والوں سے بڑھ کر نادان اور کون ہو سکتا ہے ۔ یہی ان آیاتِ کریمہ کا تقاضا اور منشائے خداوندی ہے ۔

بن سکتی اور زندگی کی حقیقی لذتوں سے کبھی آشنا نہیں ہو سکتی۔ آج تمدن کی ترقی کا سارا دارومدار سمندری تجارت اور جہازوں کی نقل وحرکت پر موقوف ہے، اور کسی قوم کے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل یہ سمجھی جاتی ہے کہ دنیا کے سمندروں اور پانیوں پر اس قوم کا کتنا قبضہ ہو چکا ہے۔ محض تجارتی نقطۂ نظر ہی سے نہیں بلکہ آج کل تو سمندروں میں جنگی اور عسکری جہاز ——— برق وبھاپ اور ایٹمی طاقت سے چلنے والے ——— نہایت درجہ ہیبت ناک انداز میں دندناتے اور غیر ترقی یافتہ قوموں میں اپنے غلبہ واستیلا کی دھاک بٹھاتے پھر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ سمندری تسخیر کے لیے جہاز سازی، جہاز رانی اور دیگر متعلقہ سائنسی وصنعتی علوم وفنون میں کمال حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہ چیز آج "سمندری نعمتوں" کے حصول سے زیادہ خود اپنی حفاظت و مدافعت کے لیے بھی ضروری ہے۔ ورنہ کوئی قوم ان بیرونی خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی جو سمندر کی راہ سے آنے والے ہوں۔

۴۔ سماواتی فوائد اور نعمتیں : زمین کی پیداوار میں سماواتی اثرات کا اگرچہ براہِ راست اور بالواسطہ تعلق ضرور پایا جاتا ہے، مثلاً بارش اور نباتات کے نشوونما میں سورج اور اس کے اثرات کی کارفرمائی۔ مگر اس سے براہِ راست فائدہ اٹھانے کی ایک مثال "شمسی توانائی" (SOLAR ENERGY) کا استعمال ہے، جو سائنس کی ترقی کی بدولت موجودہ دور ہی میں ممکن ہو سکا ہے۔ اس طرح زمانۂ مستقبل میں ان سماواتی کرنوں سے جتنے بھی فوائد حاصل کیے جائیں گے وہ سب اس کلیے میں داخل ہو جائیں گے۔[۵] ظاہر ہے کہ اس کے لیے بھی جدید علوم سے واقفیت اور ان میں دسترس ضروری ہے۔

---

[۵] لیکن اس موقع پر ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ان سماواتی کرنوں سے استفادے کے لیے سماوات یا اجرامِ سماوی کا سفر کرنا ضروری نہیں ہے اور اس سے موجودہ خلائی پروازوں کی صحت یا استحباب پر دو وجوہات کی بنا پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تو یہ کہ انسان صرف ہماری زمین پر خلیفہ ہے اور اس کو اجرامِ سماوی کی خلافت سونپی نہیں گئی۔ جیسا کہ "انی جاعل فی الارض خلیفہ" کے الفاظ صراحت کر رہے ہیں، اور دیگر مقامات میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ آج خلا کا سفر نوعِ انسانی کے مفاد کی خاطر نہیں بلکہ جنگی وعسکری اغراض ومقاصد کے تحت عمل میں آ رہا ہے، جو عالمِ انسانی کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث مدلل طور پر میں نے اپنی ایک کتاب میں کی ہے۔

اس بحث سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو علومِ جدیدہ اور تمدنِ جدید کی داغ بیل ڈالنے والا اور نوعِ انسانی کو صحیح نظریۂ علم اور صحیح نظریۂ کائنات عطا کرنے والا ہے۔ جس طرح کہ یہ حقیقت بھی پوری طرح عیاں ہو گئی قرآن عظیم ہی دنیا کا وہ پہلا اور آخری صحیفہ ہے جس نے سب سے پہلے نظری (THEORETICAL) اور عملی (PRACTICAL) دونوں سائنسوں کی طرف توجہ دلا کر نوعِ انسانی کو مظاہرِ فطرت کی تسخیر پر آمادہ کیا۔ اس کی اس انوکھی اور حیرت انگیز دعوت کے باعث قرونِ وسطیٰ میں علوم و فنون کی ترقی ہوئی جس کے نتیجے میں یورپ کی نشأۃِ ثانیہ عمل میں آئی اور آج یہ ترقی اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، تمدنِ جدید دراصل علومِ جدیدہ ہی کے اثرات اور ثمرات کا نام اور ان کی ترقیوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہوتا ہے، جو ہر دور میں بدلتا اور تغیرات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا تمدن یا تمدنِ جدید بذاتِ خود کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ بلکہ اصل میں اس کے غیر صالح اور خدا سے باغیانہ رجحانات بُرے اور مُضر ہیں۔ مگر اس سے اتنی بات تو صاف ہو جانی چاہیے کہ اسلام علوم جدیدہ یا تمدن جدید کو مطلق طور پر غلط نہیں قرار دیتا، کیونکہ یہ سب کچھ اس کے بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدا کیے ہوئے آثار و مظاہر ہیں۔ لہٰذا علمِ جدید اور تمدنِ جدید کے نام سے گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اصولی اعتبار سے اپنے گھر کی چیزیں ہیں۔ نیز اس بحث سے اس غلط نظریے کا بھی خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے کہ اسلام انسان کو تمدنی ترقیوں سے روکتا اور اس پر پابندیاں عائد کرتا ہے، یا وہ تمدن کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا، یا وہ تمدن کو خلافِ مذہب سمجھتا ہے، وغیرہ وغیرہ

اسلام اور اصولِ تمدن

عصرِ جدید میں وہی مذہب کامیاب ہو سکتا ہے جو تمدن کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ نظریات رکھتا ہو اور اس کے دامن میں موجودہ تمام تہذیبی و اخلاقی مفاسد کو دور کرنے کا تشفی بخش سامان موجود ہو۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس وقت زندگی کے میدان میں اسلام ہی ایک ایسا مکمل اور عالمگیر مذہب نظر آتا ہے جو ان مسائل کو حل کر کے نوعِ انسانی کی کامل رہنمائی کر سکتا ہے، اور اس سلسلے میں بنیادی مسائل صرف دو ہیں:

۱۔ تمدن کے بارے میں اسلام کا نظریہ کیا ہے؟

۲۔ اسلام موجودہ تہذیبی بحران کا علاج کیا تجویز کرتا ہے؟

گزشتہ سطور سے تمدن کے بارے میں اسلام کا نظریہ بخوبی واضح ہوگیا اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ اسلام نوعِ انسانی کو تمدنی ترقیوں سے روکتا نہیں بلکہ مختلف طریقوں سے اس کی ہمت افزائی کرتا ہے اور اس میدان میں اس کو آگے بڑھاتا ہے۔ وہ اس پوری کائنات اور اس کے تمام مظاہر کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کی نعمت ہونے کا تصور دلاتے ہوئے اسے خالق ارض و سماء کی شکرگزاری اور احسان شناسی پر ابھارتا ہے۔ وہ جس چیز کو معیوب اور قابل مذمت سمجھتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے احسانات کو فراموش اور اس کے خالق و مالک اور رب و رزّاق ہونے کا انکار کرکے اپنی من مانی اور لاقانونیت کا مظاہرہ کیا جائے۔ کیونکہ انسان اس دنیا میں بالکل آزاد نہیں ہے۔ بلکہ وہ شہنشاہ عالم (جل جلالہ) کی فرمان روائی اور اس کی حدود مملکت میں رہنے والا ایک تابع فرمان فرد ہے، اور اس پر اُن تمام قوانین کی پابندی لازمی ہے جو اس پر اس کے خالق و مالک نے عائد کر رکھے ہیں، جس طرح کہ اس کو کسی ملک کا ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اس ملک کے قوانین کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ مگر انسانی قوانین اور خدائی قوانین میں بہت فرق ہے۔ انسانی قوانین عموماً ظالمانہ اور خود غرضانہ ہوتے ہیں جو ایک طبقے کی دوسرے طبقے کو لوٹ کھسوٹ کی خاطر بنائے جاتے ہیں، اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ انسانی قانون میں ـــ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی عادلانہ کیوں نہ نظر آئے ـــ خود غرضی کی جھلکیاں نہ پائی جائیں۔ کیونکہ انسانی فطرت بذاتِ خود خود غرضانہ قسم کی واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ سب کے ساتھ عدل و مساوات کا برتاؤ اور یکساں سلوک کر ہی نہیں سکتا[1]۔

اس کے برعکس چونکہ اللہ تعالیٰ طبیعی عوارض نہیں رکھتا، اس لیے وہ ہر قسم کی خود غرضی اور خود غرضانہ جذبات و خواہشات سے یکسر پاک ہے (سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی) اور اس بنا پر اس کو کسی قسم

---

[1] اس کا نظارہ ہمیں موجودہ مختلف ممالک کے قوانین میں نظر آتا ہے کہ وہ اپنی ماتحت قوموں اور اقلیتوں کو دبانے اور ان پر زیادتی کرنے کی خاطر طرح طرح کے دستور بناتے [illegible] کہ کس طرح ان پر مظالم ڈھاتے رہتے ہیں اسی طرح کسی ملک میں گوروں کے لیے الگ قانون بنتا ہے تو کالوں کے لیے الگ۔ گویا وہ دوسری دنیا کی مخلوق ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ رجحان انسانی تمدن و اجتماع کے لیے سخت مضر [illegible] ہے۔

کی دینوی غرض وغایت یا دینوی چیزوں کی حاجت ہی نہیں ہے۔ (غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ) لہذا اس کے تمام قوانین سراسر مشفقانہ، متوازن، عادلانہ اور تمام بنی آدم کے لیے یکساں طور پر قابلِ عمل ہیں۔ بلکہ خدائی قوانین ـــــ جو ابدی، دائمی اور غیر متغیر ہوتے ہیں ـــــ اس بنا پر ہوتے ہیں کہ ان کے فیصلے انسانی خود غرضی، جبر و استحصال اور لوٹ کھسوٹ کو روکا جا سکے اور انسانی معاشرے میں ظلم و زیادتی کا خاتمہ اور عدل و مساوات کا دور دورہ ہو تاکہ تمام بنی آدم آپس میں بھائی بھائی کی طرح پُر امن بقائے باہم کے اصول کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ لہذا اسلام جہاں ایک طرف تمدنی و اجتماعی نقطۂ نظر سے آزادی دیتا ہے تاکہ لوگوں کی اُمنگیں اور ان کے ولولے ٹھنڈے نہ پڑ جائیں تو دوسری طرف چند شرعی اخلاقی حدود و قیود بھی عائد کرتا ہے تاکہ معاشرتی و اجتماعی زندگی پُر امن رہے اور تمام افرادِ انسانی ایک دوسرے کے حقوق کا پاس و لحاظ کریں۔

اس لحاظ سے اسلام اونچ نیچ سے بالکل الگ ایک متوازن مذہب ہے جو دین و دنیا کا ایک جامع اور بہترین تصور رکھتا ہے۔ دیگر مذاہب کی طرح وہ ترکِ دنیا اور عزلت وگوشہ نشینی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ کارزارِ حیات کو گرم کرنے اور تمدنی ہنگامہ آرائیوں میں کود پڑنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ وہ مثبت اندازِ فکر اور متوازن طریقۂ تعلیم ہے جس کا تصور ہمیں دنیا کے دیگر کسی بھی مذہب میں نہیں ملتا۔

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ - ۱۹۱۴ء) نے اپنی کتاب "الکلام" میں "ترقی تمدن کے وہ اصول جو دینِ اسلام میں پائے جاتے ہیں" کے زیرِ عنوان جن نکات سے بحث کر کے انھیں قرآنی دلائل سے مزین کیا ہے، ان میں سے پہلے دو نکات کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے، جن کا تعلق زیرِ بحث موضوع سے ہے۔

"ہمارا دعویٰ صرف یہ نہیں ہے کہ اسلام تمدن کے موافق ہے، بلکہ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ تمدن کو ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہنچانے والا ہے جو تمدن کا آخری درجہ ہے ـــــ انسان کی تمام ترقیوں کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ وہ اعلیٰ ترین مخلوقات ہے اور تمام کائنات میں جو کچھ ہے وہ اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔ سب سے پہلے قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم کی:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ٥ (تین ، ۴)

ہم نے انسان کی بناوٹ بہتر سے بہتر بنائی۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ط (جاثیہ ، ۱۳)

تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔

انسان کی تمام ترقیوں کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ اس کے خیر و شر، ترقی اور تنزل عروج اور زوال کا مدار تمام تر اس کی سعی و کوشش پر ہے، اور دنیا اور دین کی تمام کامیابیاں محض اس کی کوشش پر موقوف ہیں۔ قرآنِ مجید نے اس اصول کو نہایت توضیح اور تاکید کے ساتھ بیان کیا:

اَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى ط (النجم ، ۳۹)

انسان کے لیے اتنا ہی ہے جتنی اس کی کوشش ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط (البقرہ : ۲۸۶)

انسان کے نفس کو جو فائدہ پہنچتا ہے اس کی کمائی کی بدولت ہے، اور جو نقصان پہنچتا ہے اس کی کرتوت کی بدولت۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ج (الانعام ، ۱۶۴)

اور جو کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ط (آل عمران : ۱۶۵)

کیا جب ایسا ہوگا کہ تم پر کوئی مصیبت پڑے کہ جس کے دو چند تم پہلے پہونچا چکے ہو تو تم کہو گے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی - اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ یہ خود تمہاری اپنی ذات کی وجہ سے ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ لا (انفال ، ۵۳)

یہ اس لیے کہ خدا جب کسی قوم کو نعمت دیتا ہے تو اس کو بدلتا نہیں، جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (روم ، ۴۱)

لوگوں کے کرتوت کی بدولت تمام خشکی و تری میں فساد پھیل گیا۔

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (شوریٰ : ۳۰)
جب تم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو خود تمھارے کرتوت کے بدولت[۵۷]

(باقی آئندہ)

---

۵۷ الکلام، ص ۱۸۰ - ۱۸۱ — شبلی بک ڈپو لکھنؤ، ۱۳۴۰ھ

الفہرست

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق

اردو ترجمہ : محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعتِ کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالمِ وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

صفحات ۹۴۶ مع اشاریہ — قیمت ۴۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور